ل۔احمد اکبرآبادی کی افسانوی نثر

کلیدی الفاظ:#ل-احمد اکبرآبادی#افسانوی نثر

ڈاکٹر ارشاد احمد خان
صدر شعبہ اردو، این ایس بی کالج، ناندیڑ

تلخیص:

ل۔احمد اکبرآبادی ایک ایسے دور کے پروردہ ہیں جب داستانوی نثر دم توڑ رہی تھی اور رومانوی نثر کا دور دورہ تھا۔اسی کے ساتھ سرسیّد کی حقیقت پسند نثر کا رجحان بھی عام ہو رہا تھا۔ل۔احمد کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے اپنی نثر میں داستانوی رجحانات سے اجتناب برتا اور فطری' حقیقت پسند اور مستحکم روایات کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔انہوں نے یوروپی ادبیات کا نہ صرف مطالعہ کیا تھا بلکہ ان ادبیات کی عمدہ تخلیقات کو اُردو پیرہن عطا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہی انگریزی اور روسی افسانوں کے ترجموں سے ہوتا ہے۔ان ادبیات میں نہ صرف حقیقت پسندی کی تحریک عروج پر تھی بلکہ فطرت پسندی بھی اپنا اثر دکھا رہی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اُن کی افسانوی نثر میں ان عوامل کا عمل دخل دوسرے تخلیقی نثر نگاروں کے مقابلے میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

ل۔احمد اکبرآبادی بنیادی طور پر رومانوی نثر کے نمائندہ ہیں۔انہوں

نے ، انشاء پردازانہ اسلوب اور جمالیات پرستی کے ساتھ ساتھ افسانوی نثر کو ایسی جہتیں عطا کیں جن میں دیہی زندگی ، بے وفائی، روایت پرستی، روایت سے بیزاری اور رویوں کی تبدیلی کے علاوہ ایسے بے شمار موضوعات کو افسانوی حقیقت میں پیش کیا جو انسانی زندگی سے مربوط ہیں۔ اس خصوص میں وہ نہ تو مبالغہ کو فروغ دیتے ہیں اور نہ ہی غیر فطری عناصر کو شامل کر کے اپنی نثر کو داستانوی بیانیہ کے قریب کرتے ہیں۔ ان کی افسانوی نثر میں وہی عناصر کارفرما ہیں جو ترقی پسند تحریک کے علمبردار ہیں۔ البتہ انہوں نے مذہب بیزاری، سرمایہ پرستی، روایت شکنی اور اقدار کی شکست کو اپنی افسانوی نثر میں اس انداز سے پیش نہیں کیا۔ جس طرز سے دیگر ترقی پسند افسانہ نگاروں نے پیش کیا۔ ل احمد نے ترقی پسند تحریک سے وابستہ تمام اہم افسانہ نگاروں کا دور دیکھا ہے۔

ان کے عہد میں ہی سجاد حیدر یلدرم، منشی پریم چند، احمد علی ''انگارے کی روایت'' سعادت حسن منٹو راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر اور عصمت چغتائی جیسے اُردو کے اہم اور بلند پایہ تخلیقی نثر نگار موجود تھے۔ جنہوں نے بیانیہ کو اہم سمت اور رفتار کی جانب مائل کیا لیکن اس رفتار میں مشرقی ذہنیت کی کارفرمائی کم اور مغربی ذہنیت کی فراوانی زیادہ تھی۔ اس کے مقابلے میں ل۔ احمد نے مشرقیت کو فروغ دیا اور مغربیت سے اسی حد تک استفادہ کیا جو ایک تخلیق کار کے اظہار میں حقیقت اور فطرت پسندی کے لئے ضروری ہے۔ اگرچہ انہوں نے یوروپی زبانوں سے ترجمے کئے لیکن ان ترجموں کے دوران ایسی ہی تخلیقات کا انتخاب کیا جن میں اعلیٰ اقدار کی نمائندگی ہو اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ ساتھ اخلاقی فراوانی کا

سلسلہ بھی جاری رہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی افسانوی نثر میں کوئی بھی قابل اعتراض پہلو دکھائی نہیں دیتا۔اگر چہ انہوں نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ یوروپی ممالک کا دورہ کیا لیکن نہ تو ان کی زندگی پر اور نہ ہی ان کی افسانوی نثر پر یورپ کی برتری کا غلبہ نمایاں ہوسکا۔یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو ان کی افسانوی نثر کی شناخت بن جاتی ہے۔

ل۔احمد اکبرآبادی کے افسانوں میں جمالیت پرستی اور رومانوی حقیقت پسندی کارفرما ہے۔ جہاں تک غیر افسانوی نثر کا معاملہ ہے وہ رومانیت کو فروغ دیتے ہیں لیکن افسانوی نثر کے معاملے میں ان کا رجحان حقیقت پسندانہ ہے۔ چنانچہ ان کے افسانوں میں دیہات، مفلسی، بے چارگی، دولت کی کمی، اخلاقی اقدار، غرض ہر روش کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ چونکہ ان کی تخلیقات میں افسانوی نثر کے سرمایہ کے ساتھ ساتھ غیر افسانوی نثر کا بھی کثیر اثاثہ ہے اس لئے توازن قائم کرنے کے لئے ان دونوں انداز کی نمائندگی بھی ضروری ہے۔ان کی افسانوی نثر میں موجودہ حقیقت پسندی کو بیان کرنے کے لئے یہی انتساب کافی ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنے افسانوی مجموعہ ''زندگی کے کھیل'' کی ابتداء کی۔

''میں اس مجموعہ کو اس خموش مگر مظلوم انسانیت کے نام منسوب کرتا ہوں، جس کی

زندگی کی جھلک ان کہانیوں میں نظر آتی ہے۔'' (۱)

افسانوی نثر کو زندگی کی عمیق گہرائیوں سے وابستہ کرنے کی صلاحیت

ل۔احمد اکبر آبادی کی تحریروں میں کافی نمایاں ہے۔وہ انسانی پسند اور ناپسند کو بھی خالص مشرقی انداز سے دیکھنے کے قائل ہیں جب کہ انہوں نے یورپ کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے۔ان کے اثرات خالص اخلاقی اور ہندوستانی ہیں۔ وہ جس حقیقت کے علمبردار ہیں اس کے اظہار کے لئے وہ اپنی بیانیہ نثر کو پروان چڑھاتے ہیں۔ انہوں نے جس قدر افسانوی نثر تحریر کی ہے اس کے انتخابی مجموعوں میں شامل انتساب کے مطالعہ سے خود ان کے زندگی کو سمجھنے کا رجحان نمایاں ہوتا ہے۔

ل۔احمد اکبر آبادی نے صرف طبع زاد افسانوں کی حد تک ہی یہ رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے جس قدر افسانوی نثر کے ترجمے پیش کئے ان میں بھی مقصدیت کارفرما نظر آتی ہے۔اور یہ مقصدیت قومی وملکی تعمیر اور ہمت وایثار کی نمائندہ ہے۔یعنی انہوں نے ترجمے کے دوران بھی حقیقت پسندی کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ جب انہوں نے طویل روسی افسانہ ''نئی صبح'' کا دیباچہ لکھا تو اس میں بھی یہ نمایاں کیا کہ وہ کس مزاج کے نمائندہ ہیں۔قومی دارالاشاعت بمبئی سے شائع شدہ طویل افسانہ ''نئی صبح'' کے دیباچہ سے ایک مختصر اقتباس درج ہے اس کے مطالعہ کے بعد ل۔احمد کی حقیقت پسندی کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

''اس کہانی کو اُردو میں منتقل کرنے کی ترغیب مجھے اس لئے ہوئی کہ اس کے اندر مختصر پیمانے پر روس کی قدیم وجدید

زندگی کا خاکہ سامنے آجاتا ہے اور اس میں ہمیں انقلاب کی ایک جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔کہانی سرتاسر حقیقت

کا بیان ہے بلاواسطہ ہے۔ میرے خیال میں یہ آپ بیتی ایک عجیب اور دلکش فسانہ بھی ہے۔'' (۲)

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر حقیقت پسندی کو اہمیت دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ یوروپی ممالک کے دورے کے ذریعہ ل۔احمد نے حقیقت پسندی کو قریب سے دیکھا تھا۔ ان کے بیشتر مضامین میں شاعروں اور ادیبوں کی حقیقت پسندی پر اظہار خیال بھی ملتا ہے جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ انہوں نے اپنی نثر میں حقیقت پسندی کو اہمیت دی تھی۔ ان کی افسانوی نثر کی یہ خوبی ہے کہ وہ عریاں حقیقت پسندی سے گریز برتتے ہیں۔ جب کہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ بیشتر نثر نگاروں کی حقیقت پسندی بعض اوقات بیجا اور عریانیت کے دائرے میں داخل ہوجاتی ہے۔ ل۔احمد نے ایسے نازک مرحلوں کو اپنی افسانوی نثر سے دور رکھا جس سے ان کے حقیقت پسند نظریہ کی نمائندگی ہوتی ہے۔ وہ عریانیت کے اظہار کو حقیقت پسندی کا ایک وسیلہ قرار دینے کے حامل نہیں ہیں۔ اسی لئے ان کی شہرت عمومی قسم کی نہیں رہی بلکہ سماج کے خاص طبقے نے بھی انہیں ہمیشہ پسند کیا۔

افسانوی نثر کے پس منظر میں جب ل۔احمد اکبر آبادی کی تخلیقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان کے طبع زاد اور ترجمہ شدہ افسانوں کی تعداد کافی طویل ہوجاتی ہے۔ وہ طویل روسی افسانوں کا ترجمہ بھی کرتے ہیں اور مختصر افسانوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔ نیز ناول نگاری کی گنجائش بھی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایسے نثر پارے بھی لکھتے ہیں جن میں افسانویت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی

ہے۔صرف ان کے انشائیوں کوافسانوی نثر سے غیر متعلق قرار دیا جائے گا۔لیکن جس قدر بھی بیانیہ عناصر کو انہوں نے اپنی نثر میں استعمال کیا وہ تمام تحریریں افسانوی نثر کی نمائندہ ہیں۔اس اعتبار سے ل۔احمد کے ناولوں، افسانوں اور نثر پاروں کو حسب ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) کہانی (۲) رمز (۳) تمثیل

(۴) Thrill (ہیجان۔جذبات کی رو میں بہہ جانا) (۵)

ایمائیت (۶) اشاریت (۷) اثر آفرینی

ل۔احمد اکبرآبادی ایک باشعور قلمکار ہیں۔وہ تخلیقی نثر لکھنے کے دوران نہ صرف اسلوب اور پیرائے بیان کو ملحوظ رکھتے ہیں بلکہ ان کے مضامین اور مختلف اصناف پر لکھی ہوئی تحریروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ افسانوی نثر کے فن سے پوری طرح واقف ہیں۔چونکہ ان میں ترجمے کی صلاحیت موجود تھی اس لئے اس بات پر بھی توجہ دینا ضروری ہے کہ ان کی صلاحتیں زولسانی تھیں۔اپنی زبان کے ادب اور غیر زبانوں کے ادبیات کے نتیجے میں ان کو یہ شعور حاصل ہو گیا تھا کہ کسی بھی صنف اور فن کو کن خصوصیات سے وابستہ رکھا جائے۔یہی عمل ان کی تحریروں میں فنی خصوصیات کا حامل ہوجاتا ہے۔جسے ایک اہم وسیلہ کا درجہ حاصل ہے۔وہ ایک باشعور افسانوی نثر نگار ہونے کی وجہ سے ان کی تخلیقی نثر کو مختلف عنوانات کے تحت زیر بحث لایا جارہا ہے جس میں اولیت کا درجہ کہانی کو حاصل ہے۔ل۔احمد کی افسانوی نثر کو سمجھنے کے لئے ان کی نثری تخلیقات میں

موجود کہانی پن سے واقفیت ضروری ہے۔

۱) **کہانی:۔** کہانی کیا ہے؟ اور اس کے ذریعے کیا کام لئے جاسکتے ہیں اور اس کی ضرورت پر مدلل بحث کرتے ہوئے سید وقار عظیم اپنی تصنیف ''فن افسانہ نگاری'' میں اس طرح رقمطراز ہیں:

''کہانی ایک خاص خیال، احساس، جذبہ یا تصور کو ایک خاص فنی انداز میں
دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے۔ یہ کام افسانہ نگار مختلف طریقوں سے انجام
دیتا ہے۔ ان مختلف طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ مصنف اپنے اس خیال'
احساس' جذبہ' تصور یا نقطہ نظر کو کہانی کے ایک خاص کردار یا ایک سے زیادہ
کرداروں کی زبان سے ادا کرواتا ہے یا بعض صورتوں میں اس مخصوص تصور یا
نقطہ نظر کو کرداروں کے عمل کی شکل دیتا ہے لیکن اس صورت حال میں اسے ایک
ایسی فضاء بنانی پڑتی ہے جس میں قاری دوسروں کی رفتار و گفتار اور گفتگو اور عمل
سے اسی طرح متاثر ہو جیسے وہ خود افسانہ نگار کی کہی اور کی ہوئی

باتوں سے متاثر
ہوتا ہے۔لیکن قاری کو اس طلسم میں مبتلا رکھنے کے لئے
ضروری ہے کہ افسانہ نگار
ایک خاص قسم کی فضاء قائم کرے۔اس طرح کی فضاء قاری
کے ذہن کو شک وشبہ
سے محفوظ رکھتی ہے اور اس میں یقین کی پختگی پیدا کرتی
ہے۔''(۳)

اس بیان سے کسی بھی افسانوی نثر میں کہانی کے وجود کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ افسانوی ادب میں سب سے پہلے ترقی پسند تحریک سے وابستہ تخلیق کاروں نے حصّہ لیا اور ان کی تخلیقات میں کہانی کا لطف بدرجہ اتم موجود ہے۔ ترقی پسند تحریک کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ اس سے وابستہ تخلیق کاروں نے کسی بھی بیانیہ کے لئے کہانی کو اولیت دی جب کہ جدیدیت پسندوں کی نثر نگاری میں کہانی کو اہمیت حاصل نہیں۔ چونکہ ل۔ احمد اکبر آبادی کا تعلق ترقی پسند تحریک کے گروہ سے تھا اس لئے انکے ناولوں، افسانوں اور مختصر پاروں وغیرہ میں بنیادی عنصر کہانی ہے۔ افسانوی نثر کے ترجموں کے دوران بھی وہ کہانی پن کو اساس بناتے ہیں۔ چنانچہ کوئی ایسی تحریر ان کی افسانوی نثر کا وسیلہ نہیں بنتی جس میں کہانی کو بنیادی حیثیت حاصل نہ ہو۔ وہ کہانی افسانہ اور مختصر افسانہ کے فن سے پوری طرح واقف تھے۔ ان کی تحریروں میں اس کا اثر کہانی پن کی خصوصیت کے ساتھ جلوہ

گر ہے۔ وہ فقروں اور جملوں کے ذریعے تاثر پیدا نہیں کرتے بلکہ کسی واقعہ یا قصہ کو کہانی کی لڑی میں پروکر اسے افسانویت کی گہرائی تک لے جاتے ہیں یہی وہ خوبی ہے جو ان کو اُردو کے دوسرے نثر نگاروں سے انفرادیت بخشتی ہے۔

ے

ل۔احمد اکبرآبادی اپنے ہر افسانے میں کہانی کی روایت سے اس قدر وابستہ نظر آتے ہیں کہ کہانی پن سے انحراف ان کی تحریروں میں ایک بے اصولی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔انہوں نے فطری طور پر یہ ضروری سمجھا کہ وہی تحریریں افسانوی نثر کا درجہ رکھتی ہیں جن میں کہانی پن کو وجود ہو اور جو تحریریں کہانی سے وابستہ نہ ہوں وہ ان کے نزدیک افسانوی نثر نہیں ہیں۔اس کا ثبوت اس طرح مل جاتا ہے کہ انہوں نے ''انشائے لطیف'' کے علاوہ سنجیدہ تحریروں کو افسانے سے مختلف کر دیا۔''انشائے لطیف'' ان کے مضامین کا مجموعہ ہے لیکن انہوں نے اس میں جب اپنی انشاء پردازانہ تحریروں کو جگہ دینے کے ساتھ ساتھ افسانے شامل کئے تو ان افسانوں کے ساتھ عام نثر کو مختلف کرنے کے لئے لفظ ''مختار'' کا استعمال کیا' جس سے افسانہ نگاری کی روایت مراد ہے۔اس طرح ل۔احمد نے ایسی تحریریں جن میں کہانی کا وجود ہو انہیں افسانوی نثر کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔جس کا اندازہ ''انشائے لطیف'' کے معروضہ سے ہو جاتا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''آخر میں یہ گذارش کرنا ہے کہ ان بارہ تیرہ سال پہلے کی

تحریروں میں میں نے

معمولی تصحیح کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نہیں کی ہے' کیونکہ

میرے خیال میں ادب

کا مقتضاء یہی ہے۔ نیز اس مجموعے میں چار افسانوں کے

ساتھ لفظ مختار رکھا گیا

ہے اس کے لکھنے سے میرا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ فسانہ نہ

تو بالکل ترجمہ ہے اور

نہ تمام تر میرا ہے اس کے پلاٹ یا تخیل کا کوئی جزو بھی مجھے

دوسری جگہ سے ملا ہے تو

میں نے اسے مختار لکھا ہے۔'' (۴)

ل۔احمد کی اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی افسانوی نثر کو دوسرے طرز ہائے بیان سے مختلف کر دیا اور اس اختلاف کو نمایاں کرنے کے لئے کہانی ہی ایک ایسا وسیلہ بنتی ہے جس کی وجہ سے ان کی تحریری خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔

'' انشائے لطیف'' میں پندرہ (۱۵) مضامین شامل ہیں اور ہر مضمون میں افسانویت کا عکس نمایاں ہے۔لیکن خاص بات یہ ہے کہ اس میں وہی خصوصیات شامل ہیں جو کسی افسانے کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یعنی پلاٹ ، کردار اور کرداروں کا عمل دخل کے علاوہ ان کے رویئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ'' انشائے

لطیف'' بھی درحقیقت ایک ایسا افسانوی مجموعہ ہے جسے ل۔احمد نے ترجمے کے توسط سے اُردو میں روشناس کرایا ہے لیکن ان کی خصوصیات افسانویت سے زیادہ کہانی پن میں نمایاں ہوتی ہیں۔

افسانہ اور مختصر افسانہ پر ل۔احمد اکبر آبادی کے مضامین ریڈیو سے نشر ہوئے اور کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن عملی طور پر ان کی افسانوی نثر میں کہانی کے بغیر کوئی افسانہ وجود میں نہیں آتا اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے ذہن کو تیار کرلیا تھا کہ افسانہ یا افسانوی نثر صرف وہی ہے جس میں کہانی اپنا اثر دکھاتی ہو۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ہر افسانوی تحریر کو قصہ یا واقعہ سے مربوط کر کے نمایاں کرتے ہیں۔یعنی ان کے بیانیہ میں جہاں تمہیدی عناصر کارفرما ہیں وہیں وضاحتوں کا سلسلہ بھی نمایاں ہوتا ہے۔جب کہ افسانے میں تمہید یا وضاحت کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ل۔احمد کے تمام افسانوں میں آغاز کے دوران تمہید اور وضاحتیہ کی کارفرمائی یہ دلیل پیش کرتی ہے کہ انہوں نے کہانی کو ہی افسانہ کا درجہ دیا۔چنانچہ ان کی چند کہانیوں کی ابتداء ملاحظہ ہو۔

''خورشید جی دادا بھائی سے میری دوستی کی ابتداء بجائے خود ایک رومان ہے۔'' (۵)

''ایک گھنٹہ کامل آوارہ گرد رہنے کے بعد اس نے شوفر سے موٹر روک لینے کو کہا۔''(۶)

افسانوی نثر کے آغاز سے پتہ چلتا ہے کہ قلمکار نے کس انداز تحریر کو اختیار کیا ہے۔ل۔احمد کی بیشتر تحریریں تمہیدی روش کو اختیار کرنے کی وجہ سے

کہانی کی روایت کی علمبردار ہیں۔ کسی بھی کہانی کی پیشکشی کے لئے عام طور پر اس ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ یہ پہلا مرحلہ آغاز اور پھر دوسرے مرحلے میں عروج اور تیسرے مرحلے میں اختتام کی خصوصیات شامل کی جاتی ہیں۔ کہانی کی اس ترتیب کو جس افسانوی نثر میں شامل کیا جائے گا وہ بنیادی طور پر افسانہ ہونے کے باوجود تمہیدی خصوصیات اور نقطہ عروج کے علاوہ انجام کی وجہ سے اپنی امتیازی شناخت کا علمبردار ہوگا۔ ایسے قصے اور کہانیوں کو چاہے وہ افسانویت سے مالا مال ہوں یا نہ ہوں انہیں کہانی کی حیثیت سے قبول کیا جاتا ہے۔ ل۔ احمد اکبرآبادی نے اپنی تمام تر افسانوی تحریروں میں کہانی کی اسی خصوصیت کو ملحوظ رکھا ہے۔ ''انشائے لطیف'' کی دو کہانیوں کی شروعات کے حوالے کے بعد جب'' زندگی کے کھیل'' اور'' دن رات'' کی کہانیوں پر توجہ دی جاتی ہے تو اس مجموعے میں تینتیس (۳۳) کہانیاں شامل ہیں۔ ہر کہانی افسانویت سے بھرپور ہونے کے علاوہ زندگی کے واقعات وحوادث کی نمائندگی کرتی ہے چنانچہ'' زندگی کے کھیل'' کی کہانی ''دھرم کے داتا'' کا آغاز ملاحظہ ہو:

''شہر کے ایک گندے محلے کے ایک بوسیدہ مکان کے ایک
تاریک کمرے میں، ایک میلے بستر
پر ایک عورت یعنی چمپا لیٹی ہوئی یا کہیئے پڑی تھی۔ وہ جوان
عمر تھی، اس کا نقشہ سدھڑ تھا اور اس
کی رنگت گوری تھی۔ جسے زچگی کے نکھار نے چمپئی بنا دیا تھا۔
بھوک اور مصیبت سے اگرچہ اس

کا چہرہ کمھلا ہوا تھا لیکن اس کے اس اداس روپ میں بھی
ایک خاص دلکشی تھی۔'' (۷)

جہاں تک ترجمہ شدہ افسانوں کا معاملہ ہے تو اس تعلق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ل۔احمد اکبر آبادی نے چونکہ اصل تخلیق کار کے ذہن وفکر کو اُردو زبان میں منتقل کیا ہے اس لئے ایسی نثر میں صرف ان کا اسلوب اہمیت رکھتا ہے۔چونکہ افسانے کے قصے اور کردار اور اس کے آغاز وارتقاء کے علاوہ انجام کی پیشکشی میں اصل تخلیق کار کی سوچ وفکر کارفرما ہوتی ہے جسے ل۔احمد نے جوں کا توں پیش کر دیا ہے۔ وہ ترجمے کے لئے ایسی کہانیوں کا انتخاب کرتے ہیں جن میں افسانویت کے ساتھ ساتھ زندگی کی رنگا رنگی اور کہانی پن کی خصوصیت بھی موجود ہو۔اسی طرح اگر وہ طبع زاد افسانے تحریر کرتے ہیں تو ایسے موقع پر بھی ان کی افسانوی نثر میں کہانی پن کی روش اپنا اثر دکھاتی ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ل۔احمد اکبر آبادی نے اپنی افسانوی نثر کو کہانی پن کی خصوصیت سے وابستہ رکھا۔ان کے افسانوں میں کہانی کا انداز ارتقائی صورت میں ترقی پاتا نظر آتا ہے۔ اس کے عروج میں فطری انداز موجود ہے۔وہ ہر افسانے میں حقیقت پسندی کے عوامل کو شامل کر کے افسانے کو قصہ یا کوئی کہانی کی حد تک محدود نہیں رکھتے بلکہ زندگی کی حقیقتوں ، سے ہم آہنگ کر کے کہانی کو قابل تاثیر بنا دیتے ہیں۔وہ کہانی بننے کے بجائے کہانی کی پیشکش پر توجہ دیتے ہیں اور یہی عمل ان کے فن کا طرۂ امتیاز ہے۔

۲) رمز:۔ایسی تحریریں جن میں کسی راز کو کھولنے یا بھید کی طرف اشارہ کیا

جاتا ہے انہیں ''رمز'' یا ''رمزیہ'' کہا جاتا ہے۔ اگر کسی قصّہ یا واقعہ کو بیان کرنے کے دوران سادہ انداز اختیار کیا جائے تو وہ کہانی اسپاٹ اور غیر متاثر کن قرار دی جائے گی۔ اگر اس کے بجائے کہانی میں ایسے فقرے اور نکتے موقع اور محل کے اعتبار سے شامل کر لئے جائیں کہ جس سے کہانی کا ارتقاء بھی ہوتا رہے یا بیانیہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو اور شامل شدہ جملے اور فقرے غیر فطری دکھائی نہ دیتے ہوں لیکن ان میں زندگی کی آہٹ اور تجربات کی کئی خصوصیات شامل ہوں تو افسانوی نثر میں استعمال کئے جانے والے ایسے جملے اور فقرے رمز کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ جملے اور فقرے کہانی کو آگے بڑھنے اور اس کے اہم نکات پر روشنی ڈالنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ ہر افسانوی نثر نگار اپنی کہانی میں ایسے کئی رمزیہ فقرے اور جملے استعمال کرتا ہے جس سے افسانہ کو سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس قسم کا رمز افسانوی نثر نگار کے پاس دکھائی دیتا ہے۔ اس رمز کی وجہ سے کہانی میں شعوری خصوصیات شامل ہوجاتی ہیں۔ ل۔ احمد اکبرآبادی کی افسانوی تحریروں میں رمز کی بیشمار مثالیں موجود ہیں جنھیں پیش کرنا درحقیقت ایک بہت بڑے دفتر کا آغاز کرتا ہے اس لئے ان کے مختلف افسانوں سے چند منتخب رمزیہ فقرے اور جملے ملاحظہ ہوں:

''ان کی شکلوں نے اندھیرے کو اجالا کر دیا ہے'' (۸)''

ہنسی کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ ہوئی

اور پھر سارے چہرے پر چھا گئی۔'' (۹)

''اس نے بھیک کے ٹکڑوں سے پیٹ کی لگی کو بجھانے کے

بدلے اپنا حق چھین کر لینا پسند کیا۔''(۱۰)

''عورت کی طبیعت کچھ ایسے سانچے میں ڈھل گئی ہے کہ ایک مستقل سہارے کی تلاش اس کے لئے فطری بات ہوگئی ہے۔''(۱۱)

''ہمارے دیہات اب بھی پرانی تہذیبی قدروں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں جنھیں ہمارے شہریوں نے مسترد کر دیا ہے کرتے جا رہے ہیں''۔ (۱۲)

ل۔احمد اکبر آبادی کی ہر تحریر میں ایسے بے شمار جملے اور فقرے موجود ہیں جو افسانے کی تحریری امیج میں رمز کی حیثیت سے شامل ہیں اور جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف افسانوی نثر کو ہی اختیار نہیں کیا بلکہ اس نثر کے دوران فقروں اور جملوں کا ایسا رمز شامل کیا ہے کہ جس سے کہانی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اس کے ساتھ ہی کہانی پن کی یکسانیت میں ایک زوردار دھماکہ ہوتا ہے جو قاری کو جھنجھوڑنے کا سبب بنتا ہے۔رمز درحقیقت کسی بھی افسانوی نثر کی ایسی خوبی ہے جس کی شمولیت سے افسانوی نثر میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔اگر یہ رمز غیر فطری اور بھونڈا ہو تو افسانوں کی روایت میں خلل پیدا کر دیتا ہے۔ل۔احمد اکبر آبادی کی افسانوی تحریروں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے ہر افسانے میں ایسے رمز کو شامل کیا جو پہلی بار ہونے کے علاوہ معنویت کی گہرائی کو اپنانے کے ساتھ ساتھ قاری کو متاثر کرنے اور اس کے دل میں جگہ بنا لینے کا خصوصی وصف رکھتا ہے۔ایک تخلیقی نثر نگار کی تحریروں میں رمز ہی وہ

خصوصیت ہے جس سے ہم آہنگ ہو کر قاری اسکے مطالعے میں ڈوب جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۳) تمثیل:۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری

> ''تمثیل (Allegory) سے
> ایسا انداز تحریر مراد ہے جس میں مسلسل
> تشبیہات و استعارات سے کام لیا جاتا
> ہے اور اصل موضوع پر براہ راست
> بحث کرنے کے بجائے اسے تخیلی و
> تصوراتی کرداروں کے ذریعے مسلسل
> کہانی یا واقعہ کی شکل میں پیش کیا جاتا
> ہے۔'' (۱۳)

افسانوی نثر میں قصہ یا کہانی کے دوران تمثیلی پیرایہ اپنے اندر جاذبیت رکھتا ہے۔ اسی تمثیلی پیرایہ کی وجہ سے نثر میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمثیلی پیرایہ اُردو نثر میں روایتی انداز سے کارفرما ہے۔ ملا وجہی کی ''سب رس'' سے کر میر امن کی ''باغ و بہار'' رجب علی بیگ سرور کی ''فسانہ عجائب'' اور رتن ناتھ سرشار کی ''فسانہ آزاد'' تک جتنی بھی تخلیقی تحریریں وجود میں آئیں چاہے ان کا تعلق داستان سے ہو یا ناول سے یا افسانے سے یہ تمام تحریریں' اس وجہ سے تخلیقی حیثیت کی نمایاں ہوتی ہیں کہ ان میں تمثیل کا انداز کارفرما ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں جب ل۔ احمد اکبر آبادی کے افسانوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں

نے اپنی تحریروں مین ایسی تمثیلوں کو شامل کیا ہے جو زندگی کی گہما گہمیوں سے مالا مال ہیں۔ وہ مفلسی و ناداری کو بھی ایک تمثیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بے کاری اور بیروزگاری کو بھی تمثیلی انداز میں نمایاں کرتے ہیں۔ غرض زندگی کے جس قدر پیرائے ہو سکتے ہیں اتنی ہی تمثیلیں ان کی افسانوی نثر میں دکھائی دیتی ہیں چنانچہ ان کے افسانے ''پریم کتھا'' میں بازار کی تمثیل جس انداز سے پیش کی گئی ہے وہ ملاحظہ ہو:

> ''جاڑے کی رُت تھی اور شام
> کا وقت' اور بڑے بازار میں زندگی کا
> طوفان بپا تھا! موٹروں اور بسوں کی ہارن'
> ٹرام کے گھنٹے رکھا کی گھنٹیاں' لاریوں کی
> گڑگڑاہٹ ، چھکڑوں کی کھڑکھڑاہٹ
> اور اخبار فروشوں کی صدائیں یعنی ایک
> ہزار ایک قسم کی آوازیں۔ باریک بھی
> اور بھیانک بھی'' (۱۴)

تمثیل نگاری میں جزئیات کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ل۔ احمد کی اس عبارت میں ایک بازار کی جن جزئیات کو شامل کیا گیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی افسانوی نثر میں جزئیات نگاری کے قائل تھے۔ وہ اپنی تمثیل کو مناظر کے ذریعے نمایاں کرنے کے عادی ہیں۔ ان کے بیشتر افسانے تمثیلی مناظر کے علمبردار

ہیں۔کہیں ڈھلتی ہوئی دھوپ کا منظر، کہیں میلے کچیلے معصوم بچوں کا منظر، کہیں زندگی کے مارے ایک انسان کا ہنگامہ خیز منظر اور کہیں باجے کی دھن کا منظر تو کہیں ہولناک منظر۔غرض ل۔احمد اکبرآبادی نے مناظر کے ذریعے جزئیات نگاری کو اپنی افسانوی نثر میں شامل کیا ہے۔انہوں نے ایسے تمثیلی پیرائے استعمال کئے ہیں۔جن میں زندگی کی حقیقی محاکاتی تصویریں ابھرتی ہیں۔ان کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں تمثیلی روش کو اس انداز سے جگہ دیتے ہیں کہ اظہار میں کسی قسم کا تعطل پیدا نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنی افسانوی نثر کو اصلاحی میلانات کی طرف راغب نہیں کیا۔البتہ ان کی تحریروں میں رومانوی عناصر ضرور کارفرما ہیں۔ رومانوی نثر نگار اپنی تحریر کو اسی وقت جاذب نظر بنا سکتا ہے جب کہ وہ تمثیل کا وسیلہ اختیار کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ل۔احمد اکبرآبادی کی افسانوی نثر میں تمثیل اپنی پوری جزئیات کے ساتھ ایسے مناظر کی نشاندہی کرتی ہے جو انسان کو متوجہ کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔چنانچہ ان کے افسانے ''جیون ٹھٹھا'' میں موجود یہ تمثیل ملاحظہ ہو:

> ''ترت اور بھاؤ نویلے دلوں
> کے ساتھ وہی کر رہا ہے جو پانی کا ریلا
> کچی دیواروں کے ساتھ کرتا ہے جس
> طرح آریا ہندوستان میں درانہ گھس
> آئے یا چنگیز کی وحشی فوجیں بغداد کے
> عیش باغ میں گھس پڑیں، اسی طرح یہ
> ناچ جوان دلوں اور دماغوں میں گھسا

پڑتا ہے۔ یہ ناچ ایک طلسم کشائی ہے جو
زندگی بخشی معلوم ہوتی ہے۔'' (۱۵)

ل۔احمد اکبرآبادی نے اپنے افسانوں میں جابجا ایسے رویے اختیار کئے ہیں کہ جن سے تمثیلی پیرائے کی روش کا اندازہ ہوتا ہے۔جس کی مثالیں ان کے ہر افسانوی مجموعے میں موجود ہیں۔''انشائے لطیف''میں ان کا تمثیلی پیرایہ ملاحظہ ہو:

''بہت دن نہیں گذرے کے
ہم دونوں نے اپنی حالتوں کو
ایکدوسرے سے بدل لیا ہے۔ پہلے میں
شک اور تذبذب میں تھی۔ اب تم خوف
اور پس وپیش میں مبتلا ہو! میں اب سمجھی
کہ مجھے اپنے قریب سے جدا کر دینا' اس
احساس قرب سے علیحدہ کر دینا جو دیوانگی
سے لبریز تھا' یہ معنی رکھتا تھا کہ تم بے
خلل غور و تامل کر کے صحیح نتیجے پر پہنچ
سکو۔ میں تمہارے حسّیات کا احساس
کر رہی ہوں اور معلوم کر رہی ہوں کہ
اس شئے نے جو مجھ سے اور تم سے قوی
ہے تمہیں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔''
(۱۶)

''اُف ایک عورت ہونا' نہایت
خطرناک شئے ہے : ایک ایسی ذمہ داری
ہے جس کی شرح نہیں کی جاسکتی! لیکن
جب عورت اپنی فطرت کی بلندیاں پالیتی
ہے تو محض اس امتیاز کا احساس کہ وہ
عورت بنائی گئی ہے زندگی گزار دینے کے
لئے کافی ہوتا ہے!'' (۱۷)

'' میں تمہارے قریب رہ کر
زندہ رہ سکتی ہوں ۔ مجھے تمہارے پاس
ہونا چاہیے کہ تم اپنی پریشانیاں مجھ سے
کہہ کر انہیں فراموش کرسکو۔ میری زندگی
تمہاری ملکیت ہے اور اسکے استعمال کے
تمام حقوق تمہارے ہیں ۔ مجھے تمہارے
یہ الفاظ کہ میں صرف تمہارا روحانی شوہر
ہوں کبھی فراموش نہیں ہوتے۔ وہ
بیویاں جو روح کی بیویاں نہیں قابل رحم
ہیں۔''(۱۸)

ل۔احمد اکبرآبادی نے اپنے افسانوں میں تمثیل نگاری کے جس رویہ کو اختیار کیا ہے اس میں کوئی استعاراتی معنویت نہیں بلکہ حقیقی معنویت پوشیدہ ہے۔ جس کا اظہار ان کے طویل اور مختصر دونوں قسم کے افسانوں میں نمایاں ہے۔

ل۔احمد اکبرآبادی کو علامات' لفظیات' اشارے اور کنایئے کے توسط

سے تمثیل کی کیفیت پیدا کرنے میں بڑا کمال حاصل ہے۔بعض اوقات وہ کسی ایک لفظ کے برمحل استعمال سے بھی تمثیلی خصوصیت پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا اچھوتا انداز ہے جو ان کی افسانوی نثر کا ایک وسیلہ بن جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی افسانوی نثر تیز گامی کے ساتھ رواں دواں نظر آتی ہے۔ افسانوی نثر میں ل۔احمد اکبرآبادی نے تمہید اور اختتام کے دوران کسی قسم کی تمثیل کا سہارا نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے تمثیل کے علاوہ کہانی سے مربوط ہوتے ہیں۔ اس قسم کے افسانے درحقیقت ایک تسلسل کی کڑی میں پیوست ہوتے ہیں اور ان کا تعلق داستانوی اور ناول کی دنیا سے بڑا قریبی ہوجاتا ہے اس لئے ان میں تمثیلی پیرائے کا گذر لازمی ہے۔ اُردو کے داستانوں اور ناولوں میں تمثیل کی روایت بڑی قدیم رہی ہے اور اسی روایت کو فروغ دیتے ہوئے اُنھوں نے اپنے افسانوی نثر کی بنیاد رکھی ہے جس میں کہانی کا تسلسل اور ترتیب فطری کا وہ رجحان موجود ہے جو روایت پرستی کا علمبردار ہے۔انھوں نے ترقی پسند تحریک سے قبل جو افسانے لکھے اور اس تحریک سے وابستگی کے بعد افسانے کی جس روایت کو پروان چڑھایا اس میں کہانی کی ترتیب کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ ترتیب روایتی انداز کی پاسدار ہونے کی وجہ سے ان کی افسانوی نثر میں تمثیل کا عنصر بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔

۴)Thrill(ہیجان، جذبات کی رو میں بہہ جانا):۔ افسانوی نثر میں شامل ایسا انداز جو چونکا دینے کا وسیلہ بنتا ہے اسے Thrill کہا جاتا ہے۔مختصر افسانہ اور منی افسانہ کے علاوہ جدید افسانہ میں اس کیفیت کو خاص طور پر جگہ دی گئی ہے۔ترقی پسند تحریک سے وابستہ بیشتر افسانہ نگاروں نے

اس تکنیک کے استعمال کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ جب کہ آج کی افسانوی دنیا میں اسی Thrill کی کارفرمائی کی وجہ افسانے نے ایک علیحدہ شناخت بن کر کہانی سے علحیدگی اختیار کر لی ہے۔جس کی وجہ سے افسانہ ایک انفرادی صنف کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ جب ل۔احمد اکبرآبادی کے افسانوی ادب کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات محسوس کی جاسکتی ہے کہ ان کے افسانوں میں Thrill کی وہ شدت دکھائی نہیں دیتی جو جدید افسانوں کی خاصیت ہے لیکن وہ فطری طور پر افسانے میں Thrill کو شامل کرنے کے قائل ہیں۔اس لئے ان کے افسانوں میں یہ انداز بھی نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ ''انشائے لطیف'' کا پہلا افسانہ ''سنمستان کی شہزادی کے آغاز میں ایک ہلکا سا Thrill کس نئے انداز کی نشاندہی کرتا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

''اس وقت سے کہ کرۂ ارض
نے رقص آفتابی شروع کیا' تمام عالم میں
شہزادی سنمبر سے زیادہ حسین اور لطیف
بچہ پیدا نہیں ہوا!'' مورخِ دربارِ شاہی ہر
چند ضبط واقعات میں نہایت محتاط واقع
ہوا تھا لیکن جب وہ ولایت سنمستان کے
اس دور کی تاریخ قلمبند کرنے لگا تو یہ
فقرہ اس کی قلم سے بے ساختہ نکل گیا۔

(۱۹)''

ل۔احمد اکبرآبادی اپنے افسانوں میں شدید Thrill کے قائل نہیں۔ ان کے افسانوں میں لطیف Thrill کا انداز کارفرما نظر آتا ہے۔

جہاں تک Thrill کا تعلق ہے وہ کسی افسانہ کے آغاز کی حد تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے چونکا دینے والے انداز کا سلسلہ تمام تر افسانے پر غالب ہوتا ہے اور یہ انداز افسانے کے اختتام پر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے۔جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ ل۔احمد اکبرآبادی نے ترقی پسند تحریک کے آغاز سے قبل ہی اُردو افسانوں میں Thrill کی روایت کو فروغ دیا تھا لیکن یہ Thrill اس قدر شدید نہیں جتنا کہ دور حاضر کے افسانوں میں دکھائی دیتا ہے۔تاہم لطیف Thrill کی نمائندگی ان کے بیشتر افسانوں میں نہ صرف تمہید اور آغاز کے دوران بلکہ انجام اور اختتام پر بھی دکھائی دیتی ہے۔

ان کی مشہور تصنیف ''انشائے لطیف'' میں ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء کے افسانے شامل ہیں اور یہ تصنیف ۱۹۳۵ء میں شائع کی گئی۔اس اعتبار سے ترقی پسند تحریک کے آغاز سے ایک سال قبل شائع شدہ اس تصنیف کے ایک افسانے'' نکوہش محبت'' کے اختتامیہ میں موجود لطیف Thrill کا یہ انداز ملاحظہ ہو :

''اب بھی جب میں شام کے''
وقت لوکل ٹرین'' سے چرچ گیٹ اسٹیشن
کو جاتا ہوں تو کبھی کبھی ایک دیوانہ حال
شخص کو پھولوں کا گچھا لیئے ہوئے

قبرستان میں داخل ہوتے یا وہاں سے
خالی ہاتھ نکلتے دیکھتا ہوں۔''(۲۰)

ل۔احمد اکبرآبادی نے طویل افسانے بھی لکھے اور طویل مختصر افسانے بھی تحریر کئے' انشائے لطیف'' کے ایک افسانے ''عیش مختصر'' کو اس لئے مختصر افسانے کی حیثیت دی جاسکتی ہے کہ یہ افسانہ ۱۹۲۳ء میں لکھا ہوا ہے اور صرف دوصفحات پر مشتمل ہے۔

اس افسانہ کا انجام بھی حیرت انگیز بنیادوں کو نمایاں کرتا ہے جسے Thrill کہا جاتا ہے۔اس افسانہ کا اختتامیہ ملاحظہ ہو:

''شعبان نے پانی سے سر نہ نکالا
کہ زونو کا باپ اسے پہچان نہ لے۔زونو
نے پانی میں منہ چھپالیا کہ باپ کی نظروں
میں ذلیل نہ ہو۔جھلم کے ایک بعیدی حصہ
میں لوگوں نے ان دونوں کی بغلگیر لاشوں
کو کنارے سے اٹھایا اور اسی طرح دفن
کردیا۔'' (۲۱)

ل۔احمد کے اس اختتامیہ پر اگرچہ رومانویت کا غلبہ ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس اختتامیہ میں Thrill کا یہ انداز بھی نمایاں ہے۔thrill کی یہ نمائندگی شدت کے ساتھ نہیں بلکہ لطیف انداز میں

نمایاں ہوتی ہے۔ل۔احمد اکبرآبادی افسانہ کے فن سے پوری طرح واقف تھے اور دوسری زبانوں کے افسانوں کو اُردو میں ترجمہ کرنے کی وجہ سے انہیں شعور حاصل ہوگیا تھا کہ عالمی زبانوں کے افسانوں میں اس قسم کی روایت کو فروغ حاصل ہورہا ہے۔ یہی وہ خصوصیت تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی افسانوی نثر میں ان تمام عوامل کو شامل کیا جو افسانہ کی زیب وزینت بڑھانے کے لئے وسیلے کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی افسانوی نثر میں کہانی، تمثیل، رمز اور Thrill کے علاوہ دیگر عوامل بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔ وہ ایک باشعور اور فن کے پارکھ افسانہ نگار تھے۔ ان کے افسانوں میں ۱۹۲۳ء کے دوران ہی افسانوی زیبائش کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جب کہ ترقی پسند تحریک وجود میں نہیں آئی تھی جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ل۔احمد اکبرآبادی نے اپنی افسانوی نثر میں مغربی صنف افسانہ کی ان تمام خوبیوں کو شامل کرلیا جو فنی محاسن کا درجہ رکھتی تھیں۔ یہی وجہ رہی کہ ان کے افسانے اس دور کے یادگار افسانوی نثر کا درجہ حاصل کر گئے۔

۵) **ایمائیت:۔** افسانہ طویل ہو یا مختصر اس کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس کے متن میں بے شمار صلاحتیں سمٹ کر آجاتی ہیں اور یہی صلاحتیں ایمائیت کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ روایتی افسانہ نگاروں میں ایمائیت کا عنصر شعری خصوصیات سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ انہوں نے اپنی افسانہ نگاری کو افادی بنانے کے لئے ایمائیت کو شاعری سے حاصل کیا۔ بلاشبہ غزل کی شاعری میں ایمائیت منفرد مقام حاصل ہے اسی خصوصیت کو افسانے میں جگہ دینے کے لئے ایمائیت کا سہارا لیا گیا۔ چنانچہ ل۔احمد اکبرآبادی کی افسانوی نثر میں اس ایمائیت کا عکس دکھائی

دیتا ہے۔افسانہ میں ایمائیت کیا ہے؟ اوراس کے نمائندہ افسانہ نگارکون تھے؟ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹرنگہت ریحانہ خاں اس طرح رقمطراز ہیں:

''اب مختصر افسانے میں
اختصار وایجاز، سادگی، حسن ترتیب کے
ساتھ پہلی بار وحدت کی اہمیت کا
احساس پیدا ہوا جس کے نمونے ہمیں منشی
پریم چند، سلطان حیدر جوش، سجاد
حیدر یلدرم اور نیاز فتح پوری کے
افسانوں میں ملتے ہیں اور انکے بعد آنے
والوں میں علی عباس حسینی، مجنوں
گورکھپوری، اعظم کریوی، ل۔احمد اکبر
آبادی اور حامداللہ افسر کے یہاں بھی
زندگی کے حقائق کے ساتھ فن کی نزاکتیں،
لطافتیں اور رعنائیاں ساتھ ساتھ ملتی ہیں
۔ان کے افسانوں میں تخیل اور شعریت
پر مشاہدے اور غور وفکر کا غلبہ ضرور ہے
لیکن یہ سب ساتھ ساتھ چلتے نظر آتے

ہیں۔'' (۲۲)

اس حوالے سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایمائیت کسی ایک مرحلے کا نام نہیں بلکہ افسانوی نثر میں اس کا داخلہ اختصار و ایجاز سے ہوتا ہے۔ یہ ایمائیت کبھی سادگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات حسن ترتیب سے بھی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اس اعتبار سے ایمائیت ایک ایسی وحدت ہے جس میں کئی عناصر اپنی لطافتوں، نزاکتوں اور رعنائیوں کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ایمائیت کو شعر و شاعری سے بڑا قریبی تعلق ہے۔ لیکن خاص بات یہ ہے کہ ل۔ احمد اکبر آبادی نے اپنے افسانوں میں تخیل و شعر کے بجائے مشاہدے کی ایمائیت کو بروئے کار لایا ہے۔ جو ان کی فطری ذہانت کی دلیل ہے۔ ان کے افسانوی مجموعہ ''انشائے لطیف'' میں ایمائیت کے ایسے بے شمار مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ جن سے ایمائیت کے مقصد کی نمائندگی ہوتی ہے۔ چونکہ ل۔ احمد کے بیشتر افسانے ایمائیت سے بھرپور ہیں اور ہر افسانے سے ایمائیت کی مثالیں پیش کرنا ایک طویل باب کی شکل اختیار کرے گا۔ اس لئے صرف چند اہم حوالوں کے ذریعے یہ ثابت کیا جائے گا کہ ل۔ احمد نے افسانوی نثر میں ایمائیت کو کہیں تلمیح کے طور پر استعمال کیا ہے تو کہیں اشاراتی اور اختصاری خصوصیت کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ ''انشائے لطیف'' کا افسانہ ''نکوہشِ محبت'' جو ۱۹۲۳ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے جس تلمیحی ایمائیت

کو استعمال کیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

''کلیو پیڑا' اب وہ یونانی
معبودہ معلوم ہوتی تھی جو سامنے ہی ایک
گوشہ میں کھڑی تھی۔ میری روح نے
ایک کربناک چیخ کے ساتھ اس کی دعوت
ہلاکت کو لبیک کہہ دیا: افق خیال پر'
کشادہ بازو میری ملتجیانہ دراز تھے اور
پھر؟ میں اس فیروزے کے نقطہ گرداب
میں پھنس چکا تھا۔'' (۲۳)

ل۔احمد اکبرآبادی نے ایمائیت کو اپنی افسانوی تحریروں میں شامل کرنے کے لئے ممکنہ طور پر تلمیحی ایمائیت کا سہارا لیا ہے۔ یہ تلمیحی ایمائیت ان کے افسانوں کی زینت ہے۔ان کے افسانے ''جیون ٹھٹھا'' کے مطالعے سے تلمیحی ایمائیت کا ثبوت ملتا ہے۔ جو بطور حوالہ پیش کیا جا رہا ہے:

''سونے کے کناروں کے بیچ
خون کی ندی بہہ رہی ہے۔ یہ ندی
مزدوروں کے' کسانوں کے' غریب
انسانوں کے محنت و مشقت سے کھولتے
ہوئے خون سے بھر گئی ہے۔ یہ بہتا ہوا
خون اچانک سونا بن جاتا ہے۔خود رام
پیاری کی عصمت بھی سونے کی شکل

اختیار کر لیتی ہے۔ ہر چیز سونا بن جاتی
ہے، یہاں تک کہ شاعر کی تخیل جب
اونچائی کی طرف اڑ رہی تھی، اچانک اس
کے پر بھی سونے کے بن جاتے ہیں
اور وہ بوجھل ہو کر زمین کی گندگی
میں جا پڑتی ہے، ہر طرف سونا ہی سونا
ہے۔'' (۲۴)

اس طرح ایمائیت کے ذریعہ انہوں نے اپنی افسانوی نثر میں تفہیم کی توسیع کا حق ادا کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جنھیں تفصیل سے پیش کیا جائے تو موضوع طوالت اختیار کرے گا۔ اسی لئے اوپر پیش کی گئی چند مثالوں کے ذریعے ہی ان کی افسانوی نثر میں موجود ایمائیت کو نمایاں کر کے یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ انہوں نے افسانوی نثر کو تلمیحی ایمائیت کا انداز بھی دیا ہے۔

۶) **اشاریت:۔** اشاریت کیا ہے؟ اور اسکے ذریعے افسانے کی ضرورت کس طرح پوری ہوتی ہے؟ یہ ایک طویل بحث طلب مسئلہ ہے۔ لیکن اس بحث کو سید وقار عظیم نے اپنی تصنیف ''نیا افسانہ'' میں واضح کر دیا ہے۔ انہوں نے اشاریت اور اس کی خصوصیات کا ذکر ضرور کیا ہے لیکن اُردو کے اشاریت پسند افسانہ نگاروں کی طرف توجہ نہیں کی تاہم ان کی تحریروں سے فن کا جائزہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس فن کو اپنی افسانوی تحریروں میں نمایاں کرنے والے قلمکار کی حیثیت

سے ل۔احمد اکبرآبادی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔سب سے پہلے اشاریت کیا ہے ؟اس کی شناخت کے لئے وقار عظیم کا یہ حوالہ بڑی اہمیت رکھتا ہے:۔

''بیسویں صدی کے مصنفوں کو ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرنے کے لئے فن کا سہارا لینا پڑا۔ اس کا م میں نفسیات نے ان کی بڑی مدد کی اور ایک دوسری چیز جس نے انہیں اور بہت سی قیدوں سے آزاد کرلیا' نئے نئے اشاروں کا استعمال ہے۔ ان اشاروں کے متعلق کسی نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے کہ کسی مستحکم تمدن میں اشاروں کی اہمیت بہت کم ہوتی ہے۔ہمیں ان کا شدید احساس ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ رفتہ رفتہ وہ اشارے ختم ہوچکے ہیں جو ہمیں آپس میں ایکدوسرے کے قریب کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ادب کے عبوری دور میں اشاروں کی نئی نئی شکلیں پیدا ہوجاتی ہیں۔'' (۲۵)

ایمائیت اور اشاریت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایمائیت کوئی اشارہ نہیں بلکہ کیفیت کی دلیل ہے جب کہ اشاریت میں کسی واقعہ یا شکل کی نمائندگی کی جاتی ہے۔غرض افسانوی نثر نگاروں کے پاس اشاریت کا انداز نمایاں ہے۔ل۔احمد اکبرآبادی نے بھی ایک ایسے دور میں اپنے افسانوں کو اشاریت سے وابستہ کیا جب کہ ''شعور کی رو'' کا تجربہ موجود نہیں تھا اور افسانہ کی روایت میں رومانیت اثر انداز ہو رہی تھی۔کہانی کو ترتیب وار پیش کرنے کے دوران انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ اشاریت کو بھی کام میں لایا جائے۔چنانچہ ان کے افسانوں میں جہاں اشارتی تجربے دکھائی دیتے ہیں وہیں تشریح کے لئے بھی اشارے استعمال کئے گئے ہیں۔ان اشاروں کو ل۔احمد کی نثر میں اشاریت کا درجہ دیا جاتا ہے۔یہ اشاریت واقعاتی بھی ہے اور لمحاتی بھی

بعض اوقات وہ اپنی اشاریت کے ذریعے پوری کیفیت کو نمایاں کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی اشاریت کی بے شمار مثالیں ان کے افسانوں میں موجود ہیں۔چور اور قانون کے تعلق کو انہوں نے جس اشاریت کے ذریعے نمایاں کیا ہے اس کی مثال افسانہ ''جینے کی قیمت'' سے پیش کی جاتی ہے۔

> '' وہ ایک چور تھا اور قانون
> سے متنفر! اس کی نظر میں قانون سڑک کا
> ایک انجن تھا جو تمام قسم کے کنکر پتھر کو
> پیس کر سرمہ بنا دیتا ہے۔'' (۲۶)

اس اشاریت میں ل۔احمد اکبرآبادی ے قانون کی برتری کو ظاہر

کرنے کے لئے اسے سڑک کا انجن اور قانون شکن کو کنکر پتھر سے تشبیہ دے کر اشاریت کی ایک عمدہ مثال قائم کی ہے اور حق اور ناحق کے درمیان قانون کو وقعت دے کر انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کی اشاریت میں سچائی کو بہت بڑا دخل ہے۔

اشاریت کا ملا جلا انداز ل۔احمد کے ایک اور افسانے ''پریم کتھا'' میں دکھائی دیتا ہے۔مرد اور عورت کی اشاریت کو نمایاں کرنے کے لئے جس نئے انداز کو اختیار کیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

> '' آمنہ اور بنسی کا افسانہ وہی
> پرانی کہانی ہے' تقریباً انسان کی برابر
> پرانی کہانی' جو باوجود کروڑوں دفعہ
> دوہرائے جانے کے اسی طرح تازہ اور
> شگفتہ ہے' اتنی ہی دلکش اور دلچسپ ہے
> ایک ایسا جادو اثر فسانہ ہے جو اس کٹھن
> زندگی میں پھولوں کی مہک اور شہد کی
> مٹھاس ملا دیتا ہے''۔ (۲۷)

ل۔احمد اکبرآبادی نے اپنے بیشتر افسانوں میں بڑے لطیف اشارے پیش کئے ہیں ان کے افسانوی مجموعے '' انشائے لطیف'' میں '' نظریہ محبت کا انجام'' کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے لطیف احساسات کو بھی اشاریت میں بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> '' لیکن اس کے چھو لینے کا تو خیال بھی

مہک ہے۔ وہ تتلی جیسے پکڑ یا جائے' اس
کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ ایک غبارہ
رنگین! جس کا لمس ایک وہم ہے لیکن اس
کے وجود کا بطلان بھی نہیں کیا جا سکتا
!۔۔۔۔۔ یعنی قابو د تصرف فنائے محبت
ہے!۔'' (۲۸)

ل۔احمد اکبر آبادی کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی افسانوی نثر میں لطیف جمالیاتی احساس کو بھی اشاریت میں ظاہر کر دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے تتلی کو چھو لینے کی اشاریت کے ذریعے محبت کے جذبہ کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے اشاریت کی تکمیل ہوتی ہے۔ چند مثالیں بطور نمونہ اس لئے پیش کی گئی ہیں کہ یہ ثبوت فراہم کیا جائے کہ ل۔احمد اکبر آبادی جیسے رومانوی افسانہ نگار کی تحریروں میں بھی جدید انداز کے افسانوی طرز کی نمائندگی موجود ہے۔ ان کی اشاریت میں جمالیاتی احساسات کے علاوہ فکر و فلسفہ کی گونج سنائی دیتی ہے۔ وہ اشاریت کو بھی بہت ہی لطیف انداز سے اپنے اپنے افسانوں میں نمایاں کرنے کے موجد دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی افسانوی نثر کئی اہم خصوصیات سے مالا مال ہو جاتی ہے جن میں اشاریت بھی ایک اہم خصوصیت ہے۔

۷)۔**اثر آفرینی:۔** افسانوی نثر میں جہاں مختلف عوامل کی کارفرمائی ہوتی ہے

وہیں اثر آفرینی اور فضاء بندی کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اُردو افسانہ ابتداء سے ہی فنی لوازمات کی تکمیل کرتا ہے۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان نے افسانہ کے فن اور تکنیک پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ افسانہ کے اجزاء میں موضوع (Theme)' پلاٹ، کردار کی پیشکشی' اسلوب بیان' اظہاریت یا باطن نگاری 'ماہ رائے حقیقت' تصوریت' وجودیت' علامت نگاری اور تجریدیت وغیرہ کا آپسی امتزاج ضروری ہے۔ پلاٹ کے مختلف اجزاء سے متعلق وہ اس طرح رقمطراز ہیں:

''پلاٹ کے اہم اجزاء حسب ذیل ہیں

(۱) اظہار (Exposition)

(۲) تصادم (Conflict) (۳)

الجھاؤ (۴) ((Complication)

مستقبل کی اشاریت (Fore

(۵) تحیرزائی (Shadowing)

(۶) معکوسیت (Suspense)

(۷) ((Reversal)

سلجھاؤ Dvenovment or

Revolution and

Insight' (۸) catastrope

(۲۹) ''or Rescognition

اس اعتبار سے ایک افسانہ اسی وقت موثر قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ اس میں کئی اجزاء(Elements) شامل کئے جائیں۔ان اجزاء میں کہانی اور اشاریت بھی اہمیت رکھتی ہےاوراس کے ساتھ پلاٹ کے بیان میں فضاء بندی کو بھی اہمیت حاصل ہے۔منظر نگاری کی وجہ سے بھی افسانہ میں ایک قسم کی تازگی پیدا ہوتی ہے۔ پلاٹ کا ایک اہم جُز بصیرت بھی ہے۔ جہاں تک ان تمام اجزاء کے یکجا ہونے کا معاملہ ہےتو اسے ایک ہی نام دیا جاسکتا ہے جو اثر آفرینی کہلاتا ہے۔افسانے کا موضوع ہو یا پلاٹ یا پھر پلاٹ میں شامل مختلف اجزاء کردار کی پیش کشی ہو یا اسلوب بیان' ان تمام کا تعلق اثر آفرینی سے ہے۔کوئی بھی افسانہ نگاراظہاریت ماروائے حقیقت،تصوریت، وجودیت،علامت نگاری تجریدیت یا شعور کی رو کو اپنے افسانوں میں شامل کرتا ہےتو اس کا واضح مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ مختلف انداز اختیار کر کے اپنے افسانے میں اثر آفرینی کے جوہر دکھانا چاہتا ہے۔اس طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اثر آفرینی صرف موضوع اور پلاٹ سے ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ کردار کی پیش کشی اور اسلوب بیان سے بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔غرض اثر آفرینی ایک اجتماعی کیفیت ہے جو افسانہ کے کئی اجزاء سے وابستہ ہے۔جس افسانہ نگار نے اپنی تحریر میں اثر آفرینی کو شامل کیا اس کی افسانوی نثر قابل تقلید قرار دی جاتی ہے۔

ل۔احمد اکبرآبادی کی افسانوی نثر میں فضاء بندی اور اثر آفرینی اس لئے بھی موجود ہے کہ ان کے افسانوں کا موضوع غیر محسوس خیالی یا ذہنی ہوتا ہے اوران کے افسانوں کے پلاٹ فنی ترتیب میں کہانی کے آغاز' وسعت اور انجام

کے درمیان منطقی ربط و تسلسل کو ظاہر کرتے ہیں۔ان کی کہانی میں خارجی اور داخلی سطح موجود ہے۔ وہ کردار کی پیش کشی میں نفس انسانی کی عمیق و کیفیات کی نمائندگی کرتے ہیں اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر ان کی نظر ہے۔ ان کے اسلوب بیان پر رومانیت کا غلبہ ہے۔جب وہ پلاٹ کے اجزاء کی نمائندگی کرتے ہیں تو ان کا اظہار بے ساختہ ہوتا ہے اور پلاٹ کے تصادم میں پیچیدگیوں کے بجائے سادگی نمایاں ہوتی ہے۔ل۔احمد اکبرآبادی نے اپنے افسانوں میں مستقبل کی اشاریت سے گریز برتا ہے۔ان کے افسانوں میں تحیر کا عنصر کہانی کو مجروح ہونے سے بچا لیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں کہیں بھی تذبذب پیدا نہیں ہوتا۔

ل۔احمد اکبرآبادی نے اثر آفرینی کے لئے معکوسیت کو جگہ نہیں دی بلکہ مختلف قسم کے جذبات اور احساسات کو متحرک کر دیا ہے۔ان کی معکوسیت میں فیصلہ کن صورتحال کا رویہ پایا جاتا ہے۔ وہ سلجھاؤ کے ذریعے تمام کشمکش اور الجھنوں کو ایک نئی سمت عطا کرنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ جہاں تک افسانوی نثر میں بصیرت کو جگہ دینے کا معاملہ ہے' ل۔احمد نے اپنے کسی بھی افسانے میں کرداروں کی خاصی' پستی یا پست ہمتی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ نامساعد اور پیچیدہ حالات میں بھی انہوں نے کرداروں کو نبرد آزما دکھایا ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی افسانوی نثر میں بصیرت کا رجحان پایا جاتا ہے۔ان کے کردار نہ صرف جیتے جاگتے کردار ہیں بلکہ زندگی کے ہر عمل میں حقیقی انسان کی طرح جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔یہی وہ رویہ ہے کہ جس کو اثر آفرینی کا درجہ

دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان نے اثر آفرینی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔:

''افسانہ نگار و قاری کو یہ بھی باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کہانی کا کردار حقیقی انسان ہے۔اس فعل کو اثر آفرینی (Plausibility) کہتے ہیں ۔کہانی میں اس تاثر کو پیدا کرنا مشکل کام ہے ،کیونکہ مختصر افسانے میں کردار کی پوری زندگی نہیں پیش کی جاتی بلکہ فنکار اس کی زندگی کے ایک یا دوخاص پہلوؤں ہی سے ہمیں متعارف کرواتا ہے ۔ایک چابکدست فنکار اثر آفرینی کے تاثر کو کئی طریقوں سے پیدا کرتا ہے۔ ایک طریقہ عام (Stock)' مثالی (Typed) بلکہ Stero Typed یعنی گھسے پٹے کرداروں کے استعمال سے احتراز کرنا ہے جن کی افسانوی ادب میں بہتات ہے۔جنھیں سمجھنے میں قاری کو کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ایسے افسانہ نگار کے لئے جو اپنی تخلیق میں پلاٹ کو ترجیح دیتا

ہے' Stock کردار فائدہ مند ثابت
ہوتے ہیں۔ایک قسم ظلی
(Shadowy) کرداروں کی بھی ہوتی
ہے جو Stock کرداروں سے مختلف
ہوتے ہیں۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فنکار
illussions پیدا کرنے یا فریب
دیہی کے لئے کچھ طریقے استعمال کرتے
ہیں۔کسی معمولی عمل کا بیان بھی وہ اس
انداز سے کرتے ہیں کہ ہمارے تصور
کے کینواس پر وہ کردار چلتے پھرتے بات
چیت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔جیسے
وہ حقیقی زندگی کے افراد ہوں۔ فنکار
کردار کے چند نمایاں خط وخال ہی پیش
کرتا ہے۔ اثر
آفرینی (Plausibility) کے حصول
کا ایک طریقہ یہ ہے کہ افسانہ
نگار سپاٹ کرداروں کے استعمال سے
احتراز کرتا ہے۔'' (۳۰)

مذکورہ بالا اس حوالے کی روشنی میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ل۔احمد اکبر آبادی کی افسانوی نثر میں اثر آفرینی نمایاں ہے۔ اثر آفرینی کی شدت پیدا

کرنے کے لئے انہوں نے کسی بھی افسانے میں پیچیدہ کردار کو جگہ نہیں دی۔ان کے بیشتر کردار سادہ اور زندگی سے مربوط ہیں۔ان میں نہ تو سپاٹ پن ہے اور نہ ہی غیر منظم کیفیت بلکہ وہ اکہرے کرداروں سے ہی اثر آفرینی کو روا رکھتے ہیں۔ ان کے بیشتر افسانے کرداروں کی پیچیدگیوں سے بے نیاز ہیں۔اس کے باوجود بھی ان کے افسانوں میں بلا کی اثر آفرینی ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ انہوں نے پلاٹ کو مربوط اور کرداروں کو منضبط رکھا ہے جس کی وجہ سے کہانی کہیں سے بھی بے ربطی کا شکار نہیں ہوتی اور ان کا اسلوب اس پر سونے پر سہاگہ کا کام انجام دیتا ہے۔رومانیت سے بھرپور اسلوب قاری کو اس حد تک متوجہ کرلیتا ہے کہ افسانہ کا تمام ماحول پڑھنے والے کی دنیا اور اس کی زندگی سے وابستہ دکھائی دیتا ہے۔یہی وہ کیفیت ہے جو ل۔احمد کی افسانوی نثر میں فضاء بندی اور اثر آفرینی کی کیفیت پیدا کردیتی ہے۔

ل۔احمد کے ہر افسانے کا پلاٹ جداگانہ اور ان کے کردار غریب اور متوسط ہر طبقے سے تعلق رکھنے کے علاوہ سرمایہ دار امیر اور چھوٹے موٹے کاروبار سے بھی وابستہ ہیں۔ان میں عمل کی کشش اس حد تک سموئی ہوئی ہے کہ کوئی بھی کردار اپنے پلاٹ سے بے ربط نہیں معلوم ہوتا اور اپنے ہی ماحول میں سانس لیتا نظر آتا ہے۔جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں اثر آفرینی کا ایک ایسا دریا موجزن ہے جس کی ہر روش میں کامیابی اور کامرانی اثر دکھاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ل۔احمد اکبرآبادی کے افسانوں' میں طویل قصوں، ناولوں، انشائے لطیف اور مختصر پاروں میں ایک ایسی فضاء بندی پائی جاتی ہے جو تاثیر کی قوت کو اپنا کر حقیقت سے قریب کردیتی ہے۔ چنانچہ پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی

جاسکتی ہے کہ ل۔احمد اکبرآبادی نے اپنے رومانوی اسلوب کے ذریعہ افسانوی نثر میں اثر آفرینی پیدا کر کے افسانوی اسلوب کو حد درجہ جاذب نظر بنا دیا ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے وہ اُردو افسانہ کی روایت میں اپنی انفرادیت کا لوہا منوا لیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱) ''نظر عقیدت'' مشمولہ زندگی کے کھیل اور دن رات ۔از: ل۔ احمد اکبرآبادی۔صفحہ نمبر ۳

۲) دیباچہ ''نئی صبح'' از:ل۔احمد اکبرآبادی۔صفحہ نمبر ۳

۳) ''فن افسانہ نگاری'' از: وقار عظیم'' صفحہ نمبر ۱۱۱

۴) معروضہ ''انشائے لطیف''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔صفحہ نمبر ۷

۵) معروضہ ''انشائے لطیف''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ ''عورت کا لمحہ حیات'' صفحہ نمبر ۷۵

۶) معروضہ '' انشائے لطیف''۔ از : ل۔ احمد اکبر آبادی۔ مشمولہ ''نکوہش محبت'' صفحہ نمبر ۹۵

۷) ''زندگی کے کھیل'' از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ '' دھرم کے داتا'' صفحہ نمبر ۳۵

۸)،۹) ''زندگی کے کھیل'' از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ '' پریم کتھا'' صفحہ نمبر ۱۳۰

۱۰)،۱۱) ''زندگی کے کھیل'' از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ '' زندگی کے کھیل'' صفحہ نمبر ۱۳۲، ۱۳۳

۱۲) ''دن رات'' از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''پریم کا اندھا پن'' صفحہ نمبر ۴۰

۱۳) ''تحقیق وتنقید'' از: ڈاکٹر فرمان فتحپوری۔ صفحہ نمبر ۱۸۵، ۱۸۶

۱۵) ''زندگی کے کھیل'' از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ '' جیون ٹھٹھا'' صفحہ نمبر ۷۵،۷۶

۱۶)،۱۷)،۱۸) ''انشائے لطیف''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''عورت کا لمحہ حیات'' صفحہ نمبر ۸۸ تا ۹۲

۱۹) ''انشائے لطیف''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''سمشان کی شہزادی'' صفحہ نمبر ۹

۲۰) ''انشائے لطیف''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''نکوہش محبت'' صفحہ نمبر ۱۳۳

۲۱) ''انشائے لطیف''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''عیش مختصر'' صفحہ نمبر ۱۳۸

۲۲) ''اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ'' از : نکہت ریحانہ خان۔ صفحہ نمبر ۶۰

۲۳) ''انشائے لطیف''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''نکوہش محبت'' صفحہ نمبر ۱۱۷

۲۴) ''زندگی کے کھیل''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''جیون ٹھٹھا'' صفحہ نمبر ۷۳

۲۵) ''نیا افسانہ'' از : وقار عظیم۔ صفحہ نمبر ۴۴

۲۶) ''زندگی کے کھیل''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''جینے کی قیمت'' صفحہ نمبر ۵۷

۲۷) ''زندگی کے کھیل''۔ از:ل۔احمد اکبرآبادی۔ مشمولہ افسانہ ''پریم کتھا'' صفحہ نمبر ۱۶۲

۲۸) ''انشائے لطیف''۔ از : ل۔ احمد اکبر آبادی۔ مشمولہ افسانہ ''نظریہ محبت کا انجام'' صفحہ نمبر ۱۸۹

۲۹) ''اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ'' از : نکہت ریحانہ خان۔ صفحہ نمبر ۲۶

۳۰) ''اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ'' از : نکہت ریحانہ خان۔ صفحہ نمبر ۳۰